POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 November 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 23-11-2024 • Price: 5/- • 1-7 December 2024 • Issue: 45 • Vol:83

یکم تا ۷ر دسمبر ۲۰۲۴ء • شمارہ: ۴۵ • جلد: ۸۳

صحتِ زبان (۲۱)

رؤف پاریکھ

☆ اشارہ، اشاریہ یا اعشاریہ؟

آج کل اردو اخبارات میں معاشی 'اشاروں' کا تذکرہ رہتا ہے۔ بعض اخبارات اسے معاشی 'اشاریے' اور بعض 'اعشاریے' لکھ رہے ہیں۔ لیکن یہاں لفظ معاشی کے ساتھ اشاریہ اور اعشاریہ دونوں غلط ہیں۔ یہ دراصل انگریزی میں رائج معاشیات کی اصطلاح اکنامک انڈیکیٹر (economic indicator/s) کا ترجمہ ہے۔ اور انڈیکیٹر (indicator) کا اردو ترجمہ اشاریہ یا اعشاریہ نہیں ہوسکتا۔ البتہ 'اشارہ' انگریزی لفظ انڈیکیٹر کے مفہوم میں آسکتا ہے اور آتا ہے۔ کچھ اخبارات 'معاشی اشارے' کی ترکیب بھی استعمال کررہے ہیں جو انگریزی اصطلاح کا درست ترجمہ ہے۔ آیئے ان الفاظ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

شان الحق حقی صاحب نے اپنی انگریزی بہ اردو لغت میں لفظ indicator کا مفہوم کچھ یوں دیا ہے: ''نشان دہی کرنے والا، نمائندہ، شخص یا شے جو کسی بات کا اظہار کرے''۔ انھوں نے اس کے ایک معنی یہ بھی دیے ہیں: ''گاڑی کی وہ روشنی جو مڑنے کا اشارہ کرتی ہے''۔[1] مقتدرہ قومی زبان کی شائع کردہ انگریزی بہ اردو لغت نے انڈیکیٹر کے دیگر معنوں کے ساتھ یہ معنی بھی درج کیے ہیں: ''مُظہِر، ظاہر کرنے والا، اشارہ کرنے والا''۔[2] ہندستان میں ایک اچھا کام کلیم الدین احمد کی نگرانی میں ہوا ہے۔ یہ چھے (٦) جلدوں پر مشتمل انگریزی بہ اردو لغت ہے (جی ہاں درست املا چھ نہیں ہے بلکہ چھے ہے اور درست تلفظ بھی یہاں 'ے' کے بغیر ادا نہیں ہوتا)۔ چھے جلدوں پر مبنی یہ لغت آج تک شائع ہونے والی ضخیم ترین انگریزی بہ اردو لغت بھی ہے اور اس میں تقریباً ڈھائی لاکھ اندراجات ہیں۔ اس میں انڈیکیٹر کے معنی لکھے ہیں: ''بتانے والا، دِکھانے والا، مُظہِر'' وغیرہ۔[3]

گویا یہ تو طے ہے کہ indicator کے معنی نشان دہی کرنے والا، اشارہ کرنے والا، دِکھانے والا اور ظاہر کرنے والا وغیرہ ہیں۔ اب ذرا اکنامک انڈیکیٹر کے اصطلاحی مفہوم کو بھی دیکھ لیں۔ معاشیات کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے میکرو اکنامکس یعنی کلاں معاشیات سے متعلق وہ اعداد و شمار جو معیشت کی رفتار اور معاشی معاملات کی پیمائش کرنے کے لیے معاشی تجزیہ کار استعمال کرتے ہیں اور انھیں مستقبل کی معاشی رفتار کی پیشین گوئی کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ گویا یہ اعداد و شمار معاشی حالات کی طرف 'اشارہ' کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ economic indicator/s کا درست ترجمہ معاشی اشارہ/ اشارے ہوگا، نہ کہ اشاریہ یا اعشاریہ۔

رہا لفظ اشاریہ تو یہ انگریزی کے لفظ انڈیکس (index) کا ترجمہ ہے۔ یہ کسی کتاب کے آخر میں دی گئی مندرجات کی تفصیلی فہرست ہوتی ہے جو بترتیبِ حروفِ تہجی بنائی جاتی ہے اور جس میں متعلقہ صفحات کی نشان دہی بھی کی جاتی ہے (اگرچہ یہ فہرست اردو کی کتابوں میں کم ہی پائی جاتی ہے لیکن انگریزی کی علمی کتابوں کا لازمی جزو ہوتی ہے)۔ اشاریہ الف بائی ترتیب سے مدوّن کی ہوئی اس فہرست کو بھی کہتے ہیں جس میں ناموں یا موضوعات وغیرہ کا اندراج ہوتا ہے اور یہ عموماً مصنفوں، کتابوں یا موضوعات کی وہ فہرست ہوتی ہے جو حروفِ تہجی کی ترتیب سے بنا کر اس میں متعلقہ صفحات کی نشان دہی کی جاتی ہے۔[4] جیسے کچھ عرصے قبل ادبی رسالے 'اوراق' کا اشاریہ شائع ہوا تھا[5] جس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ 'اوراق' کے کس شمارے میں کس موضوع پر کس نے کیا لکھا اور وہ اس رسالے کے کس شمارے میں کس صفحے یا کن صفحات پر موجود ہے۔ کسی کتب خانے میں موجود کتابوں کی حروفِ تہجی کے لحاظ سے یا موضوع وار یا مصنف وار بنائی ہوئی فہرست بھی اشاریہ یا انڈیکس کہلاتی ہے۔ کتب خانوں میں پہلے یہ اشاریہ یا انڈیکس کارڈوں پر بنایا جاتا تھا اور بعض کتب خانوں میں لکڑی کے بڑے بڑے بکسوں میں آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ اب جدید دور میں یہ اشاریہ کمپیوٹر پر بھی تیار کیا جاتا ہے۔ یعنی لفظ 'اشاریہ' انڈیکس کے معنی میں ہے اور یہ انڈیکیٹر (indicator) کے معنی میں نہیں آسکتا۔

رہا لفظ اعشاریہ، تو اس کا انڈیکیٹر کے معنوں میں استعمال مضحکہ خیز ہے کیوں کہ اعشاریہ انگریزی میں ڈیسیمل (decimal) کو کہتے ہیں۔ اعشاریہ عربی کے لفظ 'عشر' سے ہے جس کا مطلب ہے دسواں حصہ۔ کسی اکائی کو دس برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ہر حصہ عشر کہلائے گا۔ عشر کی جمع 'اعشار' ہے اور معنی ہیں متعدد دس حصے، کئی دس حصے۔ اسی اعشار سے اعشاری کا لفظ بنا۔ اعشاری سے مراد ہے اعشار سے متعلق۔ اعشاری کا انگریزی مترادف ہے decimal یعنی تعداد یا وزن یا پیمائش کے اُس نظام سے متعلق جس کی بنیاد دہائی یا دسویں حصے (عشر) یا دس دس حصوں میں تقسیم پر ہوتی ہے۔ اس نظام میں سب پیمائشوں کو دس یا اس کے مضاعف (multiple) سے تقسیم کیا جاسکتا ہے جس سے حساب میں آسانی رہتی ہے۔ اسے ناپ تول کا اعشاری نظام کہتے ہیں۔

اعشاریہ کا نشان اس نشان کو کہتے ہیں جو کسی رقم کے بعد انگریزی میں نقطے کی شکل میں اور اردو میں ہمزہ (ء) کی شکل میں لگایا جاتا ہے۔ اسے انگریزی میں decimal point کہتے ہیں اور اس نقطے یا ہمزہ کے نشان کے سیدھے ہاتھ پر لکھے گئے اعداد اس کی صورتِ کسر (numerator) کو ظاہر کرتے ہیں۔ گویا اعشاریہ کا تعلق اعشاری نظام سے ہے نا کہ کسی اشارے سے۔

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ انڈیکیٹر (indicator) کا ترجمہ نہ تو اشاریہ ہوسکتا ہے اور نہ اعشاریہ، بلکہ درست ترجمہ 'اشارہ' ہوگا۔ اس ضمن میں یہ وضاحتی جملے ملاحظہ فرمایئے:

— معاشی اشاروں (indicators) میں بہتری آرہی ہے۔
— فلاں رسالے کا اشاریہ (index) شائع ہوگیا ہے۔
— کوئی رقم لکھتے ہوئے اعشاریہ کا نشان (decimal point) غلط مقام پر لگانے سے رقم میں بڑا فرق پڑجاتا ہے۔

اردو اخبارات میں کام کرنے والے دوستوں سے التماس ہے کہ اس سلسلے میں ذرا احتیاط سے کام لیجیے۔

☆ اَفشاں یا اِفشا؟

ایک اخبار میں ایک سرخی دیکھی: طیارے کے حادثے کی رپورٹ بائیس جون تک 'افشاں' کردی جائے گی۔ یہاں 'اَفشاں' کا نہیں بلکہ 'اِفشا' کا محل تھا۔ اگر پڑھے لکھے لوگ اور صحافی حضرات بھی لفظوں کے استعمال میں احتیاط نہ کریں تو دُکھ ہوتا ہے۔

اَفشاں اور اِفشا دو الگ الفاظ ہیں اور ان کے مفہوم میں بہت فرق ہے۔ 'اِفشا' عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ظاہر، فاش، آشکارا۔[6] خاص طور پر کسی راز یا بھید کے ظاہر کرنے یا کسی خفیہ بات کو منظرِ عام پر لانے کا عمل 'اِفشا' کہلاتا ہے۔ اس کی ضد ہے 'اِخفا' یعنی خفیہ رکھنا، چھپانا، پوشیدہ رکھنا۔ اگرچہ اب اردو میں ان دونوں الفاظ کے املا سے ہمزہ کو خارج کردیا گیا ہے اور انھیں اردو میں اب عام طور پر اِفشا اور

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

اِخفا لکھا جاتا ہے یعنی بغیر ہمزہ کے (جو اردو کے لحاظ سے درست ہے) لیکن عربی میں چوں کہ یہ 'اِفعال' کے وزن پر ہیں لہٰذا عربی میں ان الفاظ کے آخر میں ہمزہ لکھنا پڑتا ہے، گویا عربی کے لحاظ سے ان کا درست املا 'اِفشاء' اور 'اِخفاء' ہوگا۔ یعنی ان کا آخری حرف ہمزہ (ء) ہوگا۔

لیکن اِفشا (یا اِفشاء) میں الف کے نیچے زیر ہے۔ جب کہ 'اَفشاں' میں الف کے اوپر زبر ہے اور آخر میں نون غنہ بھی ہے۔ اَفشاں فارسی زبان کا لفظ ہے اور اَفشاں کہتے ہیں اُس سنہرے بُرادے کو جو سنگھار کے طور پر خواتین مانگ میں چھڑکتی ہیں (یا چھڑکتی تھیں)۔ خیال آتا ہے کہ یہاں مانگ کی بھی وضاحت کردی جائے کہ سر کے بالوں کو دو حصوں میں الگ کرنے پر باریک لکیر کی صورت میں نظر آنے والی سر کی کھال کو مانگ کہتے ہیں (ورنہ بعض لوگ اسے 'مطالبہ' یعنی مانگنے کا عمل یا 'ڈیمانڈ' سمجھیں گے، اگرچہ وہ معنی بھی درست ہیں)۔ سونے چاندی یا گوٹے کی باریک کترن کو بھی افشاں کہتے ہیں۔ جس کاغذ یا کپڑے یا پتھر پر رنگ چھڑکا گیا ہو یا رنگین نشانات بنے ہوئے ہوں اُسے بھی افشاں کہتے ہیں اور اسی لیے 'افشاں کرنا' اردو میں ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے رنگ چھڑکنا[7]۔

افشاں چُننا، افشاں جمانا، افشاں چِھڑکنا جیسے مرکبات بھی اردو میں مستعمل ہیں اور لگی ہوئی افشاں کو الگ کرنے کو افشاں چُھڑانا کہتے ہیں۔ جو چیز چِھڑکی جائے اسے بھی افشاں کہتے ہیں اور افشاں ایک لاحقۂ فاعلی بھی ہے اور اس کا مطلب ہے چھڑکنے والا۔ دراصل فارسی میں دو مصادر ہیں 'افشاندن'، اور 'افشانیدن' یعنی چھڑکنا، بکھیرنا، منتشر کرنا[8]۔ اسی سے لاحقۂ فاعلی ''اَفشاں'' بھی بنا ہے یعنی چھڑکنے والا، بکھیرنے والا۔ افشاں کی ایک صورت الف کے بغیر اور فے (ف) کے نیچے زیر کے ساتھ بھی ہے، یعنی ''فِشاں'' اور یہ بھی چھڑکنے والا یا بکھیرنے والا کے مفہوم میں ہے۔ اردو میں ایسے مرکبات بہ کثرت ہیں جن میں اَفشاں یا فِشاں بطور لاحقۂ فاعلی آتا ہے اور بکھیرنے والا/والی کا مفہوم دیتا ہے، مثلاً راحت افشاں، آتش فِشاں (آگ اُگلنے والا پہاڑ)، دُرفشاں (جو موتی بکھیرے) وغیرہ[9]۔ خوں افشاں یا خوں فِشاں عموماً آنکھ کے لیے آتا ہے، جیسے چشمِ خوں فشاں اور مراد ہے خون کے آنسو رونے والی آنکھ۔ یہ شدید رنج و غم کا استعارہ ہے۔

اسی طرح گل فِشاں یا گل افشاں (پھول بکھیرنے والی یا والا) کی ترکیب بھی مستعمل ہے۔ گل کا مطلب پھول ہے اور گل افشاں یعنی جو پھول بکھیرے۔ گل افشاں یا گلفشاں اس چھوٹی شیشی کو بھی کہتے ہیں جس میں گلاب اور شراب رکھتے ہیں[10]۔ گل افشاں ایک طرح کی آتش بازی بھی ہوتی ہے[11] جس میں سے چنگاریاں بکھرتی ہیں تو بظاہر پھول سا بن جاتا ہے اور اسے خالص اردو میں پھل جھڑی (پھلجھڑی) کہتے ہیں کہ اس میں پھول سے جھڑتے نظر آتے ہیں۔ فارسی کے اسی مصدر افشاندن سے فِشانی یا اَفشانی بھی ہے جس کا مطلب ہے بکھیرنے کا عمل، جیسے: گوہرافشانی یعنی موتی بکھیرنے کا عمل، گل افشانی یعنی پھول بکھیرنے کا عمل۔ گل افشانی کا ایک مفہوم خوش بیانی اور خوش گفتاری بھی ہے، گویا عمدہ باتیں کرنا جسے ہم اردو میں 'منہ سے پھول جھڑنا' بھی کہتے ہیں۔ غالب نے کہا:

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

صہبا سرخ شراب کو کہتے ہیں اور انگور کے رس کو بھی صہبا کہتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ''گوہرافشانی'' کی ترکیب طنزیہ بھی آتی ہے اور جب کوئی فضول بات کرے تو طنزاً کہتے ہیں کہ ''کیا گوہرافشانی فرمائی ہے''۔

جس کاغذ یا فرش پر رنگ چھڑک کر نقش و نگار بنائے گئے ہوں اُسے افشانی کاغذ اور افشانی فرش کہتے تھے۔ لیکن اب اس مرکب کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ البتہ گل افشانی (یعنی پھول بکھیرنے کا عمل) کی ترکیب اب بھی مستعمل ہے۔

حواشی:

۱۔ Oxford English-Urdu Dictionary، (مرتبہ شان الحق حقی)، (کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء) (دوسری اشاعت)۔
۲۔ قومی انگریزی اردو لغت (مرتبہ جمیل جالبی)، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء) (طبعِ اول)۔
۳۔ جامع انگلش اردو ڈکشنری (مرتبہ کلیم الدین احمد)، جلد سوم (دہلی: بیورو فور پروموشن اوف اردو، ۱۹۹۵ء)۔
۴۔ Concise Oxford English Dictionary (اوکسفرڈ، ۲۰۱۱ء) (بارھواں ایڈیشن)۔
۵۔ ملاحظہ کیجیے: اوراق کا اشاریہ: آغاز سے اختتام تک (مرتبہ محمود احمد اسیر)، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء)۔
۶۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔
۷۔ فرہنگِ آصفیہ (مرتبہ سید احمد دہلوی) (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔
۸۔ A Comprehensive Persian-English Dictionary، مرتبہ ایف اسٹین گاس (F. Steingass) لاہور: سنگ میل ۲۰۰۰ء (عکسی طباعت، اشاعتِ اول ۱۸۹۲ء)۔
۹۔ وحیدالدین سلیم، وضع اصطلاحات (کراچی: انجمن ترقیِ اردو، ۲۰۱۷ء)، ص ۱۳۷،۱۳۶ (ساتویں اشاعت)
۱۰۔ نوراللغات (مرتبہ نورالحسن نیر)، (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۱۹۸۹ء)۔
۱۱۔ فرہنگِ آصفیہ، محولۂ بالا۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

علم، قلم اور قلم دان

احمد مکرّم

قرآنِ حکیم کی سورہ 'علق' کا پہلا لفظ 'اقرأ' ہے۔ اس سورہ میں علم و قلم کا تذکرہ ہے۔ قرآن شریف میں 'القلم' کے نام سے ایک سورہ بھی ہے۔ چشمِ بصیرت سے غور کریں تو علم و قلم لازم و ملزوم ہیں۔ حصولِ علم کا واسطہ قلم اور تحفظِ قلم کا تعلق قلم دان سے ہے۔ گویا علم و قلم اور قلم دان کا رشتہ ایک زنجیر کی مضبوط کڑی کی مانند ہے۔

مجھ ناچیز محمد مکرم (برادرِ حقیقی پروفیسر محمد انصاراللہ نظؔر خورجوی) کے والدِ محترم ڈپٹی محمد مطیع اللہ صاحب بن منشی خیرات اللہ صاحب نے اپنے دادا جان حکیم ہدایت اللہ صاحب کا عنایت کردہ 1913 کا قلم دان مجھے 1962 میں تحفتاً عطا کیا تھا۔ حکیم ہدایت اللہ صاحب کی وفات کا سال 1924 ہے۔ ان کی وفات کے ایک صدی بعد 2024 میں یہ قلم دان میرے پاس موجود ہے۔ ایک سو گیارہ سال قدیم قلم دان کی موجودگی عنقا کا مظہر ہے۔

آبنوس کی لکڑی سے بنا ہوا قلم دان نہایت دیدہ زیب ہے۔ اس پر حسین گل کاری کندہ ہے۔ قلم دان میں پیتل کے استعمال کے علاوہ ہاتھی دانت کے مرمریں پارے اس کے حسن و دل کشی کو دوبالا کرتے ہیں۔ سیف کی مانند اس میں تالا مزیّن ہے۔ قلم دان کے اوپری حصے پر میرے والدِ محترم کا نام اور مقام نستعلیق اُردو میں قرینے سے اس طرح منقش ہے:

'مطیع اللہ طالبِ علم مڈل خورجہ'

خورجہ بہادروں اور وطن کے جاں نثاروں کے ساتھ اہلِ علم کی قدیم بستی ہے۔ حکیم ہدایت اللہ بن حکیم الٰہی بخش ذی علم گھرانے کے باصلاحیت اور بیدار مغز شخص تھے۔ انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے خیرات اللہ کی تعلیم و تربیت کا نہایت معقول انتظام کیا اور اپنے لائق و فائق فرزند کو ٹیچر بنایا۔ خیرات اللہ صاحب ریاضیات (میتھس) کے بے مثل استاد تھے اور 'منشی' کے لقب سے مشہور تھے۔ خورجہ کے ذی علم حضرات میں منشی خیرات اللہ صاحب کے شاگردوں کی بڑی تعداد تھی۔ وہ بلاتفریقِ مذہب و ملّت بنی نوعِ انسان کے درمیان مقبول شخصیت کے حامل تھے۔ منشی صاحب خیالات کے اعتبار سے کانگریسی تھے۔ ماہنامہ 'نیا دور' لکھنؤ اور ہفت روزہ 'ہماری زبان' نئی دہلی کے حوالوں کے مطابق 1937 میں کانگریس کی انٹریم گورنمنٹ کے قیام کے دوران منشی خیرات اللہ صاحب کو آنریری مجسٹریٹ بنانے کی پیش کش ہوئی لیکن موصوف نے بہ سبب بے نیازی اسے قبول نہیں کیا۔

میری بدنصیبی یہ رہی کہ مجھے اپنے دادا جان منشی خیرات اللہ صاحب کے دیدار کی سعادت حاصل نہیں ہوسکی کیوں کہ وہ میری ولادت سے قبل 14 نومبر 1943 کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے۔ خورجہ میں تدفین ہوئی (خدا غریقِ رحمت کرے)۔ آمین!

ضلع بلند شہر میں ایک نیک سیرت ڈپٹی کلکٹر محمد مطیع اللہ نامی ہوا کرتے تھے۔ منشی خیرات اللہ صاحب، موصوف ڈپٹی کلکٹر صاحب کی شخصیت سے متاثر تھے۔ 1901 میں اللہ نے منشی خیرات اللہ صاحب کو اولادِ نرینہ سے فیض یاب کیا۔ منشی صاحب نے اپنے لختِ جگر کا نام ڈپٹی کلکٹر صاحب کے نام پر محمد مطیع اللہ رکھا اور اللہ رب العزت سے دعا کی کہ ان کا بیٹا بڑا ہوکر ڈپٹی کلکٹر بنے۔ اللہ جل شانہٗ نے منشی صاحب کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ محمد مطیع اللہ بن خیرات اللہ کو دولتِ علم سے نواز کر انگریزی دورِ حکومت میں حاکمِ خزانہ کا عہدہ عطا کیا نیز .P.F.A.S کے اعزاز سے بھی سرفراز کیا۔ میرے والدِ محترم ڈپٹی محمد مطیع اللہ صاحب یوپی کے مختلف اضلاع میں حاکمِ خزانہ کے منصب پر فائز رہے۔ آپ نے باعمل پرہیزگاری کی زندگی بسر کی۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد اور دیگر معاملات بالکل صاف رکھے۔

ٹریزری آفیسر اور ڈپٹی کلکٹر ایک ہی رینک کے ہوتے ہیں، لہٰذا منشی خیرات اللہ صاحب کے فرزندِ ارجمند محمد مطیع اللہ صاحب 'ڈپٹی صاحب' کے نام و احترام سے تادمِ آخریں مخاطب کیے جاتے رہے۔ ڈپٹی محمد مطیع اللہ صاحب (حاکمِ خزانہ) 19 جون 1958 کو رٹائر ہوئے اور 19 جون 1972 کو انھوں نے دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ مولانا عبدالصمد صاحب کے قبرستان، کان پور میں تدفین ہوئی۔

میں نے اپنی شریکِ حیات بیگم شہناز مکرم کے تعاون سے 'اقرأ' کی تفسیر و توضیح کے مطابق اولادوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و عافیت کے ساتھ نظرِ بد سے محفوظ رکھتے ہوئے کمپیوٹر سے سبقت لے جانے والے ذہن و حافظے کے ذریعے علم میں مزید ترقی کی راہ پر گامزن رکھے اور قلم و عملِ صالح کے ذریعے عالَم میں سرخ روئی عطا کرے نیز اپنے خانوادے کی علمی وراثت و تہذیبی اقدار کا امین و محافظ بنائے۔ یہ سلسلہ نسل در نسل قائم و دائم رہے۔

86، سنگم وہار کالونی، آواس وکاس، جھانسی-284003 (یوپی)
Mob. No. 9936151358

جھارکھنڈ میں اردو تحریک اور اردو منظر نامہ

ایم. زیڈ. خان

جھارکھنڈ کی سنگلاخ سرزمین پر اردو تحریک کی ابتدا 1939 میں رانچی میں ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اورنگ زیب کے زمانے میں غلام حسین خاں نام کے ایک جاگیردار نے حسین آباد نام کا ایک علاقہ آباد کیا اور پلاموں میں اسی علاقے سے شعروادب کی ابتدا ہوئی جسے بعد کے سالوں میں جپلا کا نام دیا گیا۔

انجمن ترقی اردو کی جانب سے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی ایما پر سہیل عظیم آبادی جیسے معروف افسانہ نگار 1939 میں رانچی تشریف لائے اور رانچی کے سنت پال ہائی اسکول جو ان دنوں مسلم آبادی کربلا چوک سے پورب میں آدھا کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، کو اپنا مسکن بنایا۔ بعد میں یہ اردو مرکز کے نام سے جانا گیا اور اسی اردو مرکز سے اردو کی تحریک کا آغاز ہوا۔ سہیل عظیم آبادی مسلسل دس سالوں تک رانچی میں اردو کی خدمت کرتے رہے۔ 1949 تک رانچی میں ان کا قیام رہا۔ مولوی عبدالحق صاحب 1942 میں رانچی تشریف لائے اور سنت پال اسکول کے اردو مرکز میں قیام کیا اور سہیل عظیم آبادی کے کاموں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ سہیل عظیم آبادی کا رانچی میں قیام کا مقصد آدی واسیوں کے درمیان اردو کی ترویج وترسیل کے علاوہ اردو سکھانا تھا۔ اس مرکز میں ٹوپو نام کی دو بہنیں تھیں جو اردو جانتی تھیں اور میونسپل اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ یہ دونوں بہنیں سہیل صاحب کے ساتھ اردو کے لیے کام کرنے کو تیار ہوگئیں۔ پڑوس کے آدی واسی بچوں کو اردو مرکز لاتی تھیں اور سہیل صاحب انھیں اردو سکھاتے تھے۔ بعد میں ذکی انور بھی ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔

ذکی انور کی افسانہ نگاری کی ابتدا بھی رانچی سے ہوئی۔ سہیل عظیم آبادی گرچہ بہار کے تھے مگر یہ رانچی میں اردو کی ترویج واشاعت کے لیے دس (1949-1939) سال تک قیام پذیر رہے۔ ظاہر ہے ان کی شخصیت اور فن پر اس سرزمین کے گہرے اثرات مرتّب ہوئے۔

کلام حیدری نے اپنی افسانہ نگاری کی ابتدا 1944 میں رانچی سے کی۔ 1944 سے 1958 تک چودہ سال رانچی میں مستقل طور پر مقیم رہے۔ پروفیسر محمد اسلم نے جھارکھنڈ میں اردو افسانہ نگاری کا باضابطہ آغاز 1927 سے کیا۔

سہیل عظیم آبادی (اردو مرکز، رانچی)، اختر اورینوی (ٹی. بی. سینی ٹوریم، اٹکی)، شکیلہ اختر (اٹکی، رانچی) نے 1933 سے 1944 تک اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔

جھارکھنڈ میں اردو افسانہ:

مجازؔ لکھنوی جیسے نامور شاعر رانچی سے دس کلومیٹر دور کانکے مینٹل اسپتال جو اَب سی آئی پی کے نام جانا جاتا ہے، میں زیرِ علاج تھے۔ انھوں نے کچھ عرصہ یہاں گزارا۔ روایت ہے کہ وہ 1948 سے چار سال تک رانچی میں مقیم رہے۔ ان نامور شخصیتوں اور ان کے فن کے اثرات اس سرزمین پر پڑے اور اس کا فائدہ اردو زبان وادب کو ملا۔

1960 کی دہائی میں ایک کانگریسی رہنما عبدالرزاق انصاری نے چھوٹا ناگپور کے علاقوں خصوصاً کانکے، مانجھی اور رام گڑھ میں 150 اردو پرائمری اسکولوں کو قائم کیا۔ 1980 کی دہائی میں سرکار نے ان اسکولوں کو اپنی تحویل میں لے لیا، بعد کے سالوں میں لوگوں نے ان اسکولوں میں دل چسپی لینی بند کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اسکولوں سے اردو کی تعلیم کا سلسلہ ختم ہوتا چلا گیا۔ رانچی کے اربا میں عبدالقیوم انصاری اردو مڈل اور ہائی اسکول چل رہا ہے جس میں اردو ذریعۂ تعلیم ہے۔ رانچی میں اِکا دُکا سرکاری اسکول مل جائیں گے جہاں اردو کی تعلیم دی جاتی ہے ورنہ اردو کی ساری یونٹیں غیراردوداں حضرات سے پُر کردی گئی ہیں۔

جھارکھنڈ کے صنعتی شہروں جیسے جمشید پور، رانچی اور دھنباد میں بہار اور یوپی سے ہجرت کرکے آئی آبادی اردو سے آشنا تھی جس کے اثرات اب تک نمایاں ہیں۔ جھارکھنڈ کا اردو منظرنامہ بہار سے الگ کرکے مرتّب نہیں کیا جاسکتا۔ جھارکھنڈ میں دو تین معروف ناموں کو چھوڑ کر سارے معتبر نام بہار سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ادبی خدمات سے ہی آج جھارکھنڈ کی ایک تصویر ابھرتی ہے۔

بہار سے ملحقہ ضلعوں خصوصاً مدھوپور، صاحب گنج، پلاموں، گڈا اور گریڈیہہ میں اردو قدرے بہتر حالت میں ہے۔ یہاں بہار کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ ان شہروں سے کبھی کبھار ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کی خبریں بھی آتی رہتی ہیں۔

مدارس:

جھارکھنڈ میں اردو کے فروغ ونشوونما میں مدارس کا کافی اہم رول رہا ہے۔ جھارکھنڈ کے 24 ضلعوں میں 779 مدارس ہیں جس میں اردو سمیت عربی، فارسی، انگریزی، ہندی اور سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان میں 187 مدارس سرکاری امداد یافتہ ہیں۔ جھارکھنڈ میں اتنی تعداد میں اگر مدرسے نہ ہوتے تو اُردو کب کی ختم ہوچکی ہوتی، لہٰذا یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جھارکھنڈ میں اردو تہذیب وثقافت کو ان مدارس نے زندہ رکھا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے رانچی میں اپنی نظربندی کے دوران 1917 میں مدرسۂ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا آزاد نے 'الہلال' کا چھاپہ خانہ اور اپنی اہلیہ کا زیور فروخت کرکے اس کی رقم مدرسۂ اسلامیہ کی تعمیر میں لگائی تھی۔

عام تصور یہ ہے کہ مدارس اردو تہذیب وثقافت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور یہ درست بھی ہے مگر جب ہم جھارکھنڈ کے اردو منظرنامے پر نظر ڈالتے ہیں تو ناامیدی ہاتھ لگتی ہے اور نیا انکشاف سامنے آتا ہے۔

جھارکھنڈ میں سرکاری امداد یافتہ اور غیر سرکاری مدرسوں کی کُل تعداد 779 ہے، ان میں 82 مدرستہ البنات ہیں۔ مغربی ومشرقی سنگھ بھوم ضلع میں صرف 9 مدارس ہیں اور یہاں اردو قدرے بہتر حالت میں ہے۔ مدارس کی آدھی سے زائد تعداد سنتھال پرگنہ (صاحب گنج: 115، گڈا: 82، پاکوڑ 131، جامتاڑا: 111) میں ہے مگر یہاں اردو کی حالت بہتر نہیں ہے۔ سب سے خراب صورتِ حال پاکوڑ اور جامتاڑا کی ہے جہاں بنگلہ کلچر ہے۔ یہاں 80 فیصد سے زائد مدرسوں میں ذریعۂ تعلیم بنگلہ ہے۔ اردو زبان وادب کے طالبِ علموں کو غالبؔ واقبالؔ کے اشعار کی تشریح بنگلہ زبان میں سمجھانی پڑتی ہے، اس سے زیادہ تشویش ناک صورتِ حال کیا ہوسکتی ہے۔ صاحب گنج اور مدھوپور جیسے علاقے جو بہار سے متصل ہیں، جہاں اردو قدرے بہتر حالت میں ہے، مگر ادبی سرگرمیاں نہ کے برابر ہیں۔ کبھی کبھار مشاعروں کی خبریں مل جاتی ہیں۔ میرے ایک شاعر دوست جو پاکوڑ جیسی غیرادبی جگہ پر چار سال ڈسٹرکٹ سب رجسٹرار کے عہدے پر تعینات تھے، اور اس مقام پر رہتے ہوئے بھی تین شعری مجموعے شائع کرائے اور 'جدید اسلوب' کا شمارہ نمبر 5 ' پاکوڑ سے ترتیب دیا گیا تھا۔ ان کے قیام کے دوران کچھ ادبی ہلچل سامنے آئی تھی۔ ان کے تبادلے کے بعد ادب کی محفلیں سونی ہوگئیں۔ ان علاقوں میں اردو تحریک کی ضرورت ہے ورنہ اردو یہاں سے معدوم ہوجائے گی۔ مدرسۂ اسلامیہ رانچی ایک تاریخی حیثیت کا حامل ہے، اردو کی نشوونما میں مدرسۂ اسلامیہ کا اہم رول ہے۔ اردو آبادی اس مدرسے سے استفادہ کرتی ہے۔ اردو زبان وادب پر اس کے گہرے اثرات بھی ہیں۔ مولانا آزاد جیسی تاریخی شخصیت کا رانچی میں چار سال تک مقیم رہنا ہی اپنے آپ میں ایک بڑی بات ہے۔ مدرسۂ اسلامیہ نے اردو زبان کے فروغ اور ترویج واشاعت میں اہم رول ادا کیا ہے اور اس کے سبب رانچی کی ادبی فضا بھی ہموار ہوئی۔ یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ نے اردو زبان کو پورے جھارکھنڈ میں فروغ دیا۔ اس کے سبب رانچی کی سماجی، معاشی، ثقافتی اور ادبی زندگی میں حیرت انگیز تبدیلی دیکھی گئی جس کے اثرات اب تک نظر آتے ہیں۔

غلام مصطفیٰ اثر نے 1948 سے 1966 تک رانچی میں اردو کی خدمات انجام دیں۔ ان کی کوششوں سے ایک زمانے تک شعروسخن کی محفلیں گرم رہیں اور ان سے تشنگانِ ادب سیراب ہوتے رہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ غلام مصطفیٰ اثر جو مدتوں سے شہرِ قاضی بھی رہے، رانچی کی اُن گنی چنی شخصیتوں میں تھے جنھوں نے رانچی کے شعری وادبی ماحول کو زندہ و متحرک رکھا اور اس کے نمایاں اثرات بھی مرتّب ہوئے۔ 1966 سے حجِ بیت اللہ کی سعادت کے بعد انھوں نے بزمِ سخن کی نظامت چھوڑ دی اور نعتیہ شاعری کی طرف رجوع کیا۔ وہ شہر کی ایک معروف مسجد کی امامت تاحیات کرتے رہے اور بچوں کو اردو وعربی کی تعلیم دیتے رہے۔ موصوف اردو کے تئیں بڑے مخلص تھے۔ 2009 میں انتقال فرما گئے۔

لائبریری:

رانچی کی اردو پبلک لائبریری، ڈورنڈہ اردو لائبریری، جمشید پور میں مسلم اردو لائبریری، ڈالٹن گنج میں اردو لائبریری قابلِ ذکر ہیں۔

کہنے کو تو جھارکھنڈ کے ہر بڑے شہر میں ایک عوامی لائبریری ہے مگر اردو زبان وادب کے فروغ میں ان کا کوئی رول نظر نہیں آتا، نہ یہاں معیاری کتابیں ہیں اور نہ زبان وادب سے استفادہ کرنے والے لوگ آتے ہیں۔ ایک دو لائبریری کو تو شادی ہال ہی بنادیا گیا ہے۔ لائبریری کی انتظامیہ کا زبان وادب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ خالص تجارتی لوگ ہیں۔ جھارکھنڈ کے کئی شہروں کا دورہ کرنے کے بعد مجھے اس کا اندازہ ہوا۔ کچھ لوگوں نے اپنی ذاتی لائبریری قائم کررکھی ہیں اور کتابوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے، لیکن استفادہ کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔

میں اسی سلسلے میں شہر کی ایک مشہور اردو لائبریری میں گیا تھا۔ دیکھا کہ 10-8 لوگ بیٹھے ہندی اخبار کا مطالعہ کررہے ہیں۔ دوتین اردو کے بھی اخبار تھے مگر پڑھنے والے نہیں تھے۔ تین سال پرانا اردو کا ایک رسالہ ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔ 10-8 بک شیلف تھیں جن پر زنگ آلود تالے لٹک رہے تھے۔ شیلف کے اندر رکھی کتابوں پر موٹی گرد جمی ہوئی تھی، لگتا تھا اسے کبھی کھولا ہی نہیں گیا۔ شیلف کے علاوہ بھی جہاں تہاں کتابیں بکھری پڑی تھیں، ان میں کوئی بھی کام کی کتاب نظر نہیں آئی، میں مایوس ہوکر چلا آیا۔ یہی حال جھارکھنڈ کی زیادہ تر اردو لائبریریوں کا ہے۔

Aman Green City, Road No 3A, Pundag, Ranchi-4
E-mail: kmalih76@gmail.com
Mob. No. 9331588352

اردو دُنیا

معاون اُردو مترجمین کے لیے 1079 امیدوار کامیاب

ایس ایس سی نے نتائج جاری کیے ، جنرل کوٹے میں سب سے زیادہ 503 امیدوار کامیاب

پٹنہ (23 نومبر)۔محکمۂ انتظاماتِ عامہ حکومتِ بہار کے ذریعے معاون اُردو مترجمین کے 1294 عہدوں کے لیے پرائمری اور مین امتحان کے بعد آخری نتائج جاری کردیے گئے ہیں۔ بہار اسٹاف سلیکشن کمیشن کے ذریعے جاری کیے گئے نتائج میں کُل 1079 امیدوار کامیاب ہوئے ہیں جب کہ 215 عہدے خالی رہ گئے ہیں۔ کامیاب 1079 امیدواروں میں جنرل کوٹے سے 503، درج فہرستِ ذات کے 17، انتہائی پس ماندہ طبقے کے 233، پس ماندہ طبقے کے 155، پس ماندہ طبقے کی خواتین 39 اور اقتصادی طور پر کمزور طبقوں کے 129 امیداور کامیاب ہوئے ہیں۔ معاون اردو مترجمین کی بحالی کے سلسلے میں شائع اشتہار نمبر 01/19 کی روشنی میں پرائمری اور مین امتحان کے امیدواروں کی ڈگریوں کی جانچ چار مرحلوں میں کی گئی تھی۔ امیدواران نتائج کا عرصے سے انتظار کررہے تھے۔ نتائج کے بعد اب ان کی بحالی کا راستہ صاف ہوگیا ہے۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

ملک میں اعلا تعلیمی اداروں کا قیام

مولانا ابوالکلام آزاد کا کارنامہ

حیدرآباد (11 نومبر)۔ ملک کے پہلے وزیرِ تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کی یومِ پیدائش کے موقعے پر مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی نے یومِ آزاد تقاریب کا اہتمام کیا۔ قومی کونسل برائے تعلیمی تحقیق و تربیت کے سابق ڈائرکٹر پدم شری پروفیسر کرشنا کمار نے مولانا آزاد یادگاری خطبہ دیا۔ وائس چانسلر پروفیسر سیّد عین الحسن نے صدارت کی۔ شعبۂ صحافت میں نمایاں خدمات کے اعتراف میں بیورو چیف روزنامہ ’سیاست‘ رشید الدین کو ’ستارۂ صحافت‘ ایوارڈ پیش کیا گیا۔ وائس چانسلر پروفیسر سیّد عین الحسن نے توصیف نامہ اور یادگاری مومنٹو پیش کرتے ہوئے شال پوشی کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد چوں کہ عالمِ دین کے علاوہ ایک صحافی بھی تھے، لہٰذا ان کے نام سے موسوم قومی یونی ورسٹی نے صحافت میں دیرینہ خدمات پر اعزاز کے لیے بیورو چیف روزنامہ ’سیاست‘ رشید الدین کا انتخاب کیا۔ اس موقعے پر یو این آئی اردو کے صحافی واجد اللہ خاں کو بھی ایوارڈ پیش کیا گیا۔ پروفیسر کرشنا کمار نے یادگاری خطبے میں بنیادی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا اور کہا کہ ہندستان میں اعلا تعلیمی اداروں کی موجودگی مولانا ابوالکلام آزاد کی تعلیمی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ مولانا آزاد نے اپنے غیر معمولی وژن کے ذریعے ہندستان میں تعلیم کو عام کرنے کی کامیاب مساعی کی تھی۔ پروفیسر کرشنا کمار نے مزید کہا کہ تعلیم کا تجزیہ گہرائی سے کرنے کی ضرورت ہے کیوں کہ تعلیم محض ایک تصور نہیں بلکہ ایک نظام ہے جس کے ذریعے سماج میں انقلابی تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ بنیادی تعلیم پر توجہ کے بغیر اعلا تعلیم میں بہتر مظاہرہ ممکن نہیں ہے۔ ’اعلا تعلیم اور درپیش چیلنجز‘ کے موضوع پر یادگاری خطبے میں پروفیسر کرشنا کمار نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کی کارکردگی کو سراہا۔ انھوں نے کہا کہ بنیادی تعلیم کی اہمیت اعلا تعلیم سے زیادہ ہے، اس بارے میں ان کے نظریے میں تبدیلی آچکی ہے۔ بنیادی تعلیم فراہم کرنے والے اساتذہ کی تربیت اعلا تعلیم کے مدارس میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی ٹیچر اچھے کالج سے ٹیچر ایجوکیشن کی ڈگری حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے طلبہ کو بہترین تربیت اور تعلیم فراہم کرسکتا ہے۔ اعلا تعلیم کے دوران تدریس کے بہتر طریقے سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یونی ورسٹیوں میں جز وقتی ملازمین کی بڑھتی تعداد اعلا تعلیم کے لیے ایک چیلنج ہے۔ وائس چانسلر پروفیسر سیّد عین الحسن نے صدارتی خطاب میں کہا کہ حصولِ تعلیم کے لیے دوست بنانا مشکل کام ہے لیکن اعلا تعلیمی اداروں میں علمی دوستی آسان ہے۔ پنچ تنتر کی کہانی کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اعلا تعلیمی اداروں میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد جمع ہوتے ہیں اور ان میں اتفاقِ رائے قائم ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اعلا تعلیم انسان کی شخصیت کو نکھارنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ رجسٹرار اردو یونی ورسٹی پروفیسر اشتیاق احمد نے خیر مقدم کیا اور یومِ آزاد تقاریب کی تفصیلات سے واقف کرایا۔ پروفیسر شگفتہ شاہین نے پروفیسر کرشنا کمار کا تعارف کرایا۔ اس موقعے پر پروفیسر عزیز الدین اور پروفیسر امتیاز حسنین کی کتابوں کی رسمِ اجرا بھی عمل میں آئی۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

قومی اردو کونسل کے زیرِ اہتمام

لکھنؤ میں مذاکرہ اور مشاعرے کا انعقاد

مذاکرہ اور مشاعرہ کلچرل ڈسکورس کا اہم حصہ ہیں: ڈاکٹر شمس اقبال

لکھنؤ (پریس ریلیز، 15 نومبر)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے زیرِ اہتمام گومتی ریور فرنٹ پارک لکھنؤ کے گومتی بک فیسٹول/ گومتی بک مہوتسو میں مذاکرہ اور مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ مذاکرے میں محسن خان، پروفیسر صابرہ حبیب اور ڈاکٹر صبیحہ انور نے شرکت کی جب کہ نظامت کے فرائض ڈاکٹر عشرت ناہید نے انجام دیے۔ اس موقعے پر محسن خان نے کہا کہ کہانی میں اسلوب و فکر بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے ایک ایسے دور میں لکھنا شروع کیا جب ادب اور زبان کا تابناک دور تھا اور بڑوں سے لکھنے کی تحریک ملتی تھی، میری کہانی کے محرک کرشن چندر، منٹو اور غلام عباس تھے۔ انھوں نے مزید کہا کہ جو لوگوں کو انسپائر نہ کرے ایسی تخلیق کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ڈاکٹر صبیحہ انور نے کہا کہ فکشن دوسرے اصناف کے مقابلے میں زندگی سے زیادہ قریب ہے، میں نے اپنے قلم اور ذہن سے زندگی کی مختلف پرتوں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ عورت کا ذہن اور قلم سے لکھنا اور توازن قائم رکھنا بہت مشکل امر ہے۔ پروفیسر صابرہ حبیب نے کہا کہ ہر زبان کی اپنی خوب صورتی ہوتی ہے، اردو زبان میں بہت خوب صورتی ہے اور اس کو محبت کا دوسرا نام دیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر عشرت ناہید نے مذاکرے میں شامل قلم کاروں سے ان کے ادبی سفر اور تخلیقی تجربات کے بارے میں بہت پُر مغز گفتگو کی۔ مذاکرے کے بعد مشاعرہ کا انعقاد ہوا جس میں صدارتی خطاب میں ڈاکٹر عمار رضوی نے کہا کہ اردو زبان و ادب کے فروغ میں قومی اردو کونسل قابلِ ستائش کام کر رہا ہے اور اردو کونسل نے آئینِ ہند کے حوالے سے جو کتابیں شائع کی ہیں وہ ہمارے ملک کے عوام اور معاشرے کے لیے بہت مفید ہیں۔ اس موقعے پر قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے تمام شعرا کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اس مشاعرے میں لکھنؤ کے بڑے اہم شعرا شامل ہیں، یہ ہمارے کلچرل ڈسکورس کا اہم حصہ ہے۔ قومی اُردو کونسل مختلف علاقوں میں ثقافتی تقریبات کے ذریعے اردو زبان کی ترقی کے لیے نہ صرف یہ کہ کوشش کررہی ہے بلکہ معاشرے سے ایک صحت مند اور مثبت مکالمے کی راہ بھی ہموار کررہی ہے۔ مشاعرے میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر عمار رضوی نے شرکت کی۔ جب کہ چرن سنگھ بشر، منیش شکلا، حسن کاظمی، زبیر انصاری، شاہد کمال، پپلو لکھنوی اور اسد نصیر آبادی بحیثیت شاعر شریک ہوئے، مشاعرے میں نظامت کے فرائض ڈاکٹر طارق قمر نے بہ حسن و خوبی انجام دیے۔

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ رانچی کا جلسہ

رانچی (پریس ریلیز، 24 نومبر)۔ آج گلشن ہال میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ رانچی کی ایک اہم اور ہنگامی نشست ڈاکٹر خالد سجاد کی صدارت میں منعقد کی گئی جس میں جھارکھنڈ میں سیکولر حکومت کے قیام پر خوشی کا اظہار کیا گیا اور اس امید کا بھی اظہار کیا گیا کہ آنے والی حکومت اردو کے ساتھ انصاف کرے گی اور اس ایفاے عہد کا احترام کرے گی جو انجمن کے وفد کے ساتھ اگست ماہ میں کیے گئے تھے۔

نشست میں اتفاقِ راے سے فیصلہ لیا گیا کہ مہینے کے ہر تیسرے اتوار کو انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ رانچی کی میٹنگ کا بلا ناغہ انعقاد کیا جائے گا اور اردو کو لے کر اسکولوں میں ترغیبی پروگرام کا انعقاد بھی کیا جائے گا۔ اسکول انتظامیہ سے مل کر تاریخ وغیرہ کے تعین کی ذمے داری سمیع اللہ خان اصدقی کو دی گئی ہے۔

اردو آبادی کے محلوں میں اردو نام کی تختیاں لگانے پر غور کیا گیا۔ اس کے لیے اسپانسر کی تلاش کی ذمے داری حسیب اختر کو دی گئی۔

26 نومبر کو ابوذر کی پہل پر انجمن کا وفد ڈریم لینڈ پبلک اسکول کا دورہ کرے گا اور وہاں کے پرنسپل سے ملاقات کرکے بچوں کو اردو کی تعلیم وغیرہ پر ترغیب دے گا۔

آج کی میٹنگ میں خصوصی طور پر ایم زیڈ خان، ریحانہ محمد علی، ماہتاب عالم، سمیع اللہ خان اصدقی، محمد شکیل، جاوید اختر، اقبال احمد، محمد ابوذر اور حسیب اختر وغیرہ شریک محفل تھے اور انھوں نے اردو کے فروغ و ترویج کے لیے مفید مشورے دیے۔

مرکزی نمائندہ ایم زیڈ خان نے دلّی کے دورے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے انجمن کا ریاستی انتخاب دسمبر تک کرا لینے کی ہدایت دی۔ ایم زیڈ خان نے مزید کہا کہ ریاستی انتخاب کی تاریخ کا تعین کرنے کے لیے 30 نومبر کو انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کی توسیعی اون لائن میٹنگ رکھی گئی ہے جس میں تمام اضلاع کے سکریٹری، صدر، کنوینز اور خصوصی مدعوئین شرکت کریں گے۔

بچکنڈہ اُردو میڈیم اسکول میں یومِ تعلیم و یومِ اقلیتی بہبود کے عدمِ انعقاد پر طلبہ اور ان کے سرپرستوں کی برہمی

بچکنڈہ (13 نومبر)۔ بچکنڈہ گورنمنٹ اُردو میڈیم ہائی اسکول میں 11 نومبر کو ملک کے پہلے وزیرِ تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کی یومِ پیدائش تقریب نہیں ہوئی، انھیں خراج بھی پیش نہیں کیا گیا، نہ ہی کسی پروگرام کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ ہندستان کے پہلے وزیرِ تعلیم کی یومِ پیدائش 11 نومبر کو حکومت کے احکام کے مطابق تقریب نہ منانے پر طلبہ و طالبات اور اولیاے طلبہ نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ حالاں کہ یہ اردو میڈیم اسکول ہے اور ہر سال بلا ناغہ پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں۔ امسال بچکنڈہ اردو میڈیم اسکول کے ٹیچروں کی لاپروائی یا اردو سے نفرت کی وجہ سے تقریب منعقد نہیں کی گئی جب کہ تلنگانہ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ مولانا آزاد نے یو جی سی کے علاوہ دیگر تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لاتے ہوئے ملک میں تعلیمی انقلاب برپا کیا تھا۔ ایسی عظیم شخصیت کو یاد نہیں کیا جانا بڑا افسوس ناک مقام ہے جنھوں نے ملک کی آزادی کے لیے جیل کی صعوبتیں تک برداشت کیں۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

غالب انعامات 2024 کا اعلان

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، پروفیسر محمد رضا نصیری اور پروفیسر عبدالرشید انعام یافتگان میں شامل

نئی دہلی (پریس ریلیز، 18 نومبر)۔ غالب انسٹی ٹیوٹ ہر سال اردو اور فارسی کے معتبر ادیبوں اور دانشوروں کو غالب انعام دیتا ہے۔ اس سال غالب انسٹی ٹیوٹ کی غالب انعام سب کمیٹی کی میٹنگ جسٹس جناب آفتاب عالم کی صدارت میں ہوئی۔ کافی غور وخوض کے بعد ممبران نے مندرجہ ذیل ادیبوں اور دانشوروں کو غالب انعامات برائے سال 2024 منتخب کیا ہے:

(۱) فخرالدین علی احمد غالب انعام برائے اردو تنقید و تحقیق، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی (اعظم گڑھ)

(۲) فخرالدین علی احمد غالب انعام برائے فارسی تنقید و تحقیق، پروفیسر محمد رضا نصیری (ایران)

(۳) غالب انعام برائے مجموعی ادبی خدمات، پروفیسر عبدالرشید (دہلی)

واضح ہو کہ یہ انعامات مبلغ پچھتّر ہزار روپے نقد، ایک تمغہ اور سند پر مشتمل ہیں۔ یہ انعامات 20 دسمبر 2024 کو جشنِ غالب تقریبات کے افتتاحی جلسے کے موقعے پر پیش کیے جائیں گے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین ذاکر کا کام بہت اہم ہے

وضاحت حسین رضوی

’ادبی نشیمن‘ کے زیرِ اہتمام ’اردو صحافت کے آغاز وارتقا‘ کی رسم رونمائی

لکھنؤ (پریس ریلیز)۔ ادبی نشیمن لکھنؤ کے زیرِ اہتمام دیوریا سے تعلق رکھنے والے معروف قلم کار، صحافی وادیب ڈاکٹر ذاکر حسین ذاکر کی پانچویں ضخیم کتاب ’اردو صحافت کا آغاز وارتقا‘ کی تقریبِ رسمِ رونمائی 23 نومبر 2024 کو یوپی پریس کلب لکھنؤ میں زیرِ صدارت ممتاز صحافی جناب احمد ابراہیم علوی ہوئی۔ مہمانانِ خصوصی ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی اور جناب سہیل وحید انصاری رہے۔ نظامت کے فرائض جناب رضوان احمد فاروقی نے انجام دیے اور بطورِ مہمانِ اعزازی معروف صحافی ڈاکٹر اکبر علی بلگرامی پروگرام کا حصہ رہے۔

جلسے کے صدر جناب احمد ابراہیم علوی نے کہا کہ موضوع ایسا ہے جس کا حق کسی ایک کتاب میں ایک شخص ادا نہیں کرسکتا۔ اس موضوع پر پیہم اور منظّم طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے، وہ بھی مختلف افراد کے باہم اشتراک وتعاون سے۔ ایسا ہوگا تبھی موضوع کا حق ادا ہوسکے گا اور آنے والی نسلیں فیض حاصل کرسکیں گی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین ذاکر نے جس محنت سے کتاب تیار کی ہے اس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین ذاکر نے تسلیم کیا کہ اس موضوع پر باقاعدہ اور مفصل کام دس ہزار صفحات لکھوں تبھی مکمل ہوسکے گا۔ میں نے کام کو سمیٹا ہے۔ دوسرے لوگ اس کام کو مزید وسعت دے سکتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی نے کتاب کے مولف کو جرأت و جسارت کی خصوصی داد دیتے ہوئے کہا کہ آپ کا کام بہت اہم ہے۔ ’نیا دور‘ کے سابق مدیر ڈاکٹر سہیل وحید انصاری نے کہا کہ کتاب میں صحافتی زبان پر کوئی باب شامل نہیں ہے، نیز اس کتاب کو حصۂ اول ہونا چاہیے تھا تاکہ آئندہ کام کا باب کھلا رہتا۔ ڈاکٹر اکبر علی بلگرامی کے مطابق ایک صحافی ہی اس طرح کی کتاب لکھ سکتا ہے۔ عام قلم کار اس طرح کے اہم موضوع پر قلم اٹھانے کی کوشش بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ حق ادا کرنا۔ صحافی وشاعر رضوان احمد فاروقی کی نظر میں یہ کام اہم لیکن تشنہ ہے۔ بہت سے اہم اخبارات اور صحافیوں کے سرے سے نام ہی غائب ہیں۔ صحافی وادیب غفران نسیم نے کہا کہ کتاب کے مطالعے سے نہ صرف اردو صحافت بلکہ ہندستانی صحافت کا علم ہوتا ہے۔ کتاب کا مطالعہ مفید ہے۔ مشہور افسانہ نگار قائد حسین کوثر نے مشورہ دیا کہ صحافیوں بالخصوص صحافت پر کام کرنے والوں کو چاہیے کہ دیگر زبانوں کے الفاظ کے بہتر متبادل کی تلاش کا عمل جاری رکھیں۔ شاعر وادیب امیر حمزہ اعظمی نے دل چسپ گفتگو کی اور کہا کہ صحافت کی روح احمد ابراہیم علوی ہیں تو اس کی ترقی وبقا کے لیے فکرمند ہیں ڈاکٹر ذاکر حسین ذاکر۔ اس موقعے پر کہنہ مشق شاعر عبرت مچھلی شہری، لکھنؤ کے ڈاکٹر شفیق الزماں خاں، دیوریا کے ارشاد احمد ایڈووکیٹ اور شاعرِ اہلِ بیت شاہد کمال نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر حسین ذاکر کی تحقیقی کاوش کو سراہا اور کہا کہ یہ کام آسان نہیں تھا۔

اردو کونسل ہند نے معاون اردو مترجمین کی بحالی کا خیرمقدم کیا

پٹنہ (25 نومبر)۔ معاون اردو مترجمین کی بحالی دیر ہی سے سہی مگر ایک خوش آئند قدم ہے۔ اردو کونسل ہند اس کا استقبال کرتی ہے، مگر ابھی اردو کے درجنوں مسائل حل طلب ہیں، جن کو فوری طور پر حل کیا جانا بے حد ضروری ہے۔ یہ باتیں اردو کونسل ہند کے صدر شمائل نبی نے ایک اخباری بیان جاری کر کے کہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو کونسل ہند نے کئی مسائل کی ایک فہرست پیش کر کے نتیش حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ یہ مسائل جلد از جلد حل کیے جائیں ورنہ اردو کونسل ہند اردو کے حقوق کی حصولیابی کے لیے یک روزہ تحفظِ اردو دھرنا دینے پر مجبور ہوگی۔ ابھی صرف ایک مطالبہ اردو معاون مترجمین کی بحالی کا تھا جسے حکومت نے پورا کیا ہے، لیکن ابھی بہت سارے اردو کے مسائل ایسے ہیں جنھیں حکومت کے ذریعے حل کیا جانا ہے۔ شمائل نبی نے کہا کہ چھے برسوں سے زائد عرصے سے بہار اردو اکادمی اور اردو مشاورتی کمیٹی کی تشکیل نہیں ہونے سے سرکاری سطح پر اردو کے فروغ، توسیع اور ترقی کا راستہ بند کردیا گیا ہے۔ 15 مئی 2020 کو محکمۂ تعلیم کے ایک مکتوب 1099 کے ذریعے میٹرک میں اردو کی لازمیت ختم کردی گئی ہے اور آج اسکولوں میں اردو آبادی کے بچے اپنی مادری زبان کی تعلیم سے محروم کردیے گئے ہیں۔ اردو اسکولوں میں اردو کی کتابیں مہیا نہیں کرائی جاتی ہیں۔ اسپیشل ٹی ای ٹی اردو کے بارہ ہزار کامیاب امیدواروں کو دوسرے لیٹر کے ذریعے ناکام قرار دیا گیا جس کی وجہ سے دس برسوں سے وہ روزگار کے لیے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ بارہ ہزار اقلیتوں کو روزگار سے محروم کیا جانا ناانصافی ہے۔ اردو کونسل ہند کے ناظمِ اعلا اسلم جاوداں نے کہا کہ محکمۂ کابینہ سکریٹریٹ کے اردو ڈائرکٹوریٹ کے ذریعے کتابوں پر مالی معاونت کا سلسلہ روک دیا گیا ہے، سالانہ اعلا سطحی انعام واعزاز کا سلسلہ 2010 سے بند ہے، اردو ڈائری کی اشاعت بھی بند کردی گئی ہے، دو روزہ جشنِ اردو بھی کئی سال سے منعقد نہیں کیا جارہا ہے، لہٰذا کونسل مطالبہ کرتی ہے کہ اردو کے یہ تمام مسائل جلد از جلد حل کیے جائیں۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

آمنہ ضحیٰ ’قمرالاسلام اردو گولڈ میڈل‘ کی مستحق

ایس ایس ایل سی 2024 میں گلبرگہ کی سطح پر امتیازی نمبروں سے کامیاب انعام یافتگان کی قطعی فہرست کا اعلان

گلبرگہ (7 نومبر)۔ ایس ایس ایل سی مارچ، اپریل 2024 میں ضلع گلبرگہ کی سطح پر پہلا انعام آمنہ ضحیٰ بنت محمد ایوب، الامین اردو ہائی اسکول جیلان آباد گلبرگہ نے 586/625 امتیازی نمبرات حاصل کرتے ہوئے ’قمرالاسلام اردو گولڈ میڈل‘ کی مستحق قرار پائیں۔ اس بات کا اعلان ڈاکٹر ماجد داغی (معتمد انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ) نے اپنی ایک پریس ریلیز میں کیا۔ انھوں نے تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا کہ مذکورہ طالبہ کو عنقریب منعقد ہونے والے جلسۂ تقسیمِ انعامات میں گولڈ میڈل کے علاوہ 11000 روپے نقد، میمنٹو اور توصیفی سند عطا کی جائے گی۔ واضح رہے کہ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ نے قبل ازیں اعلان کیا تھا کہ ایسے طلبہ جنھوں نے ایس ایس ایل سی مارچ، اپریل 2024 میں ضلع گلبرگہ کی سطح پر امتیازی نمبرات حاصل کیے ہوں انھیں ’قمرالاسلام اردو گولڈ میڈل‘ اور دیگر انعامات دیے جائیں گے۔ اس ضمن میں موصولہ درخواستوں کی تنقیح کے بعد ایک فہرست مع محصولہ نمبرات روزنامہ ’کے بی این ٹائمز‘ گلبرگہ مورخہ 20 اکتوبر 2024 میں شائع کی گئی تھیں جس میں صدر مدرسین سے خواہش کی گئی تھی کہ دی گئی فہرست میں طلبہ کے محصلہ نمبرات سے زیادہ نمبرات اگر کسی طالبِ علم نے حاصل کیے ہوں تو 5 نومبر 2024 تک اپنے مارکس کارڈ کے ساتھ اپنی درخواست دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ، روبرو کے بی این دواخانہ، گلبرگہ میں داخل کریں۔ 5 نومبر 2024 تک موصولہ درخواستوں کی تنقیح کے بعد مذکورہ انعامِ اوّل کے علاوہ دیگر انعامات کے مستحقین کی قطعی فہرست پیش کی گئی ہے۔ سیّدہ امت الحنان بنت سیّد عظمت اللہ حسینی ہیومن ایج اردو ہائی اسکول گلبرگہ 579/625 نے امتیازی نمبرات حاصل کرتے ہوئے انعامِ دوم کی مستحق قرار پائی ہیں جنھیں 7000 روپے نقد، میمنٹو اور توصیفی سند سے سرفراز کیا جائے گا۔ اسی طرح الفیہ انجم بنت محمد مبین ثنا اردو ہائی اسکول مدینہ کالونی ایم ایس کے ملز، گلبرگہ نے 576/625 نمبرات حاصل کرتے ہوئے انعامِ سوم کی مستحق قرار دی گئی ہیں، جنھیں 5000 روپے نقد، میمنٹو اور توصیفی سند سے نوازا جائے گا۔ دیگر ترغیبی انعامات میں محمدی جویریہ بنت جہانگیر ہیومن ایج اردو ہائی اسکول گلبرگہ (575/625) 2000 روپے نقد، میمنٹو اور توصیفی سند، اقصیٰ تحریم بنت محمد محبوب علی الامین اردو ہائی اسکول خونی الاوہ (572/625) 2000 روپے نقد، میمنٹو اور توصیفی سند۔ شہر گلبرگہ کی سطح پر زبانِ اول اردو میں 125 میں سے 125 نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کے نام درجِ ذیل ہیں: ثانیہ بیگم گورنمنٹ ہائی اسکول مدینہ کالونی، ایم ایس کے ملز، گلبرگہ (570/625) 2000 روپے نقد، میمنٹو اور توصیفی سند، سیّدہ ہادیہ فردوس بنت سیّد یونس قادری ہیومن ایج اردو ہائی اسکول گلبرگہ (564/625) 2000 روپے نقد، میمنٹو اور توصیفی سند اور انشرح بنت ملک محمد ابرارالحق ہیومن ایج اردو ہائی اسکول گلبرگہ (561/625) 2000 روپے نقد، میمنٹو اور توصیفی سند کی مستحق قرار دی گئی ہیں۔ جلسۂ تقسیمِ انعامات کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

رفتید ولے نہ از دلِ ما

سیّد ضیاء الرحمان ضیا

پٹنہ۔ اردو شعروادب کے خاموش خادم اور بزرگ شاعر سیّد ضیاء الرحمٰن ضیا کا 13 نومبر 2024 کی صبح فرینڈس کالونی، سلطان گنج، پٹنہ میں واقع رہائش گاہ پر طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ وہ تقریباً 77 برس کے تھے۔ ان کی نمازِ جنازہ ظہر کی نماز کے بعد جامع مسجد، درگاہ شاہ ارزاں میں ادا کی گئی اور شاہ گنج قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ وہ 25 جنوری 1947 کو پٹنہ کے تاریخی محلّے صادق پور میں پیدا ہوئے اور تعلیم سے فراغت کے بعد پرائمری اسکول میں ٹیچر ہوگئے۔ انھوں نے بچوں کا ایک رسالہ ’شگوفہ‘ بھی جاری کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے فوراً بعد ہی شاعری شروع کردی تھی لیکن ان کا کوئی مجموعۂ کلام اب تک شائع نہیں ہوسکا۔ کچھ عرصہ پہلے تک ان کی غزلیں، نعتیں اور قطعات ملک کے مختلف اخبارات اور رسائل، خاص طور پر روزنامہ ’پندار‘ پٹنہ میں پابندی سے شائع ہوتے رہے۔ ان کا شمار صالح فکر شاعروں میں ہوتا تھا۔ انھوں نے اپنے دو رفقا معین کوثر اور افتخار عاکف کے ساتھ مل کر دو گلدستے ’ایک اور جست‘ اور ’ایک اور کاوش‘ ترتیب دیا۔ یہ دونوں گلدستے شائع بھی ہوئے، لیکن افسوس کہ اردو شعروادب کے اس خاموش خادم کو ہم نے فراموش کردیا۔

ادارہ ’ہماری زبان‘ مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **خیال و نظر** (ادب پر تحریریں)
مصنف : ڈاکٹر وہاب عندلیب
ضخامت : 304 صفحات
قیمت : 300 روپے
ناشر : ڈاکٹر وہاب عندلیب، کنج نسیم 1-29/35، کے ایچ بی کالونی، کلبرگی-585102
تبصرہ نگار : سعید اختر اعظمی

E-mail: sakhtar0075@gmail.com

'ادب کو چند خانوں اور فارمولوں میں قید کرنے کا سخت مخالف ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے قدیم وجدید کے درمیان مفاہمت بے حد عزیز ہے۔ خاموشی سے کام کرنا میری زندگی کا مطمحِ نظر رہا ہے۔ تمام عمر جدو جہد، جستجو اور تگ ودَو سے کام لیا ہے۔ آج بھی اسی روایت کو اپنائے ہوئے ہوں، کیوں کہ صرف فراغت اور خوش پوشی کو زندگی نہیں سمجھتا'۔ ڈاکٹر وہاب عندلیب کا یہ نظریہ مقصدِ حیات بھی ہے اور تخلیقی سرگرمیوں کا معتبر حوالہ بھی۔ قرطاس وخامہ سے رشتہ استوار کرنے کو ہی وہ زندگی کا بہترین مصرف مانتے ہیں۔ تحریری سرگرمیوں میں وہ دل جمعی سے لگے رہتے ہیں۔ رسائل وجرائد میں شائع شدہ مضامین اور شخصی خاکوں کا مجموعہ دس برس قبل 'تارِ نظر' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ حالیہ مجموعے میں بھی کم وبیش ان ہی موضوعات کی کارفرمائی ہے۔

'خیال ونظر' میں اس قدر متنوع رنگ شامل ہو گئے ہیں کہ یہ دھنک رنگ ہو گیا ہے۔ 'خیال قلب' حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور احمد رضا خاں کے فکر وفن کا احاطہ کرتا ہے جس میں 'عوارف المعارف' اور 'فتاویٰ رضویہ' کے حوالوں کو معتبر کیا گیا ہے۔ 'خیال تصویر' پندرہ شخصیات کے خاکے ہیں جنھوں نے مختلف حوالوں سے ادب کی خدمت کی۔ جغرافیے کے استاد: علی بن غالب، زبان وادب کے خدمت گار: ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ادبی شغف رکھنے والے: ڈاکٹر شکیب انصاری، دکنی زبان وادب کی زلفوں کے اسیر: پروفیسر محمد ہاشم علی، تکلف برطرف کے بے تکلف مزاح نگار: مجتبیٰ حسین، کنڑا کے اردو نواز ادیب: ڈاکٹر پنچا کشری ہیرے مٹھ، اردو کا آدمی: ڈاکٹر رگھوتم راؤ دیسائی، 'لمحوں کا سفر' کے افسانہ نگار: عبدالرؤف گُند گی، غبارِ خاطر اور آنکھ بیتی کے لکھاری: رؤف خوشتر، انشائیہ نگار: سیدہ مہر النساء عرف مہر آپا، نقد ونظر سے دل چسپی رکھنے والے ایس ایم عقیل، حساس ادیب: ڈاکٹر عبدالقادر فاروقی، مختلف رسائل وجرائد کی زینت بننے والے: سراج وجیہ، ترقی پسند تحریک میں شامل ہو کر مزدوروں کے مسائل کی نمائندگی کرنے والے: رشید جاوید، ہمہ جہت شخصیت: وقار شیخ، شاعر، ادیب وصحافی: ڈاکٹر ماجد داغی۔

'خیال پردازی' تحقیقی مضامین کے لیے مختص ہے۔ سنہ ہجری کا آغاز، آصفی دَور کے سیاسی، سماجی و ثقافتی پہلو، اردو خطوط نویسی کی تاریخ، فن اور نمائندہ خطوط نگار، فلسفہ، صفر کیا ہے؟ 'خیال مسافت'۔ 'اردو: برِ صغیر ہند کے مسلمانوں کا مشترک ورثہ، گلبرگہ شریف، خواجہ محمود گاواں اور اس کا مدرسہ، خواجہ ایجوکیشن سوسائٹی گلبرگہ کے تعلیمی ادارے۔ 'خیال نقش' میں 'رام راجیہ: گاندھی جی کا خواب، اردو زبان کے حوالے سے شمس الرحمٰن فاروقی کے تاثرات، ڈاکٹر قطب سرشار کی نثر نگاری، پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر کی تصوف شناسی، ڈاکٹر خالدہ بیگم کی 'مثنوی پھول بن'، باتیں بچوں کی میں ادیب اطفال کے انٹرویوز لینے والے غضنفر اقبال، ڈاکٹر جہانگیر احساس کی کتاب 'خورشید احمد جامی'، نیا دور کا مجتبیٰ حسین نمبر اور منظور وقار کی برق رفتار تحریر کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ 'خیال رنگ' حمید سہروردی کے تاریخی افسانے 'نواب مرزا' اور ناہید طاہر کے افسانوی سفر کو محیط ہے۔ 'خیال آہنگ' میں 'چاند سے باتیں' کے شاعر پروفیسر خالد سعید، نسائی شاعری کی سرو قد آواز عنبرین حسیب عنبر، 'حرف آگہی' کے سخن ور رؤف حامد تماپوری، 'اور ستارہ بن جا' کی شاعرہ ڈاکٹر قمر سرور، اقبال خلش، نورالدین نور اور طاہر بلال کی شاعری کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

'خیال معنی' پیش نامے ہیں جس میں سلیمان خطیب کے کلام 'کیوڑے کا بن'، نورالدین نور کے 'غزوۂ بدر منظوم'، مولانا حافظ وقاری محمد فخر الدین مانیال کی 'سوانح رفیق تاج' اور 'سیرت تاج المشائخ'، ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی کے 'تعلیمی تجزیے'، ڈاکٹر عبدالکریم تماپوری کا 'عہدِ خداداد کا ادب'، ڈاکٹر جاوید رفاعی کے مضامین 'آئینہ در آئینہ'، ڈاکٹر ناصب کے گلبرگہ کے چھتیس ڈاکٹروں پر لکھے گئے خاکے 'مسیحا کیسے کیسے'، ڈاکٹر حامد اشرف کے 'دکنی لوک گیت'، ڈاکٹر کوثر فاطمہ کے 'ضلع گلبرگہ کی ادبی وتہذیبی انجمنیں'، ڈاکٹر غضنفر اقبال کا 'ہندوستان کی جدو جہدِ آزادی میں مسلمانوں کا کردار'، فوقیہ واجد کا مادرمہربان فوزیہ چودھری مرحومہ پر لکھی گئی تحریریں 'آئینہ در آئینہ'، سید عبدالقدیر کے مختلف النوع مضامین 'رشحاتِ فکر' جسے خواجہ پاشاہ انعامدار نے مرتب کیا ہے، اسکول میگزین 'غنچے' (مدیر: ولی احمد) پر طویل ومختصر گفتگو ملتی ہے۔ 'خیال حسن' پس ورق کی تحریریں ہیں جو منظور وقار کے خاکے 'ورق ورق چہرے'، صابر فخر الدین کے افسانچے 'ہاتھ سے نکلا وقت'، ڈاکٹر عبدالباری کے تحقیقی مضامین 'ادب شناسی'، ڈاکٹر غضنفر اقبال کا دکنی شعراء کی غزلوں کا انتخاب 'کلام تجھ لب کا'، ڈاکٹر استاد عبدالرشید کی تحقیق 'گلبرگہ میں اردو نظم' اور ڈاکٹر اسلم محبوب خان کی تحقیقی کاوش 'دکن کے چند قلم کار' پر مشتمل ہیں۔ 'خیال مجسم' میں دو افسانوں (حمید سہروردی کا 'عقب کا دروازہ' اور اکرام باگ کا 'تقیہ بردار') کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے بعد یہ افسانہ بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ قاری کو تجزیے کے بعد اصل تحریر سے بھی آشنائی ہو سکے۔

بہ حیثیتِ مجموعی یہ تمام 'خیال کہکشاں' قاری کی علمیت میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کی تنوع رنگی نئے جہانِ معانی کی سیر کراتی ہے۔

◆◆◆

نام کتاب : **نقوشِ اوّلین** (مقالات ومضامین کا مجموعہ)
مصنف : حافظ ولی احمد خان
ضخامت : 176 صفحات
قیمت : 300 روپے
ناشر : ہماری طاقت پبلی کیشن، جے پور-302001 (راجستھان)
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.sewal@gmail.com

زیرِ تبصرہ کتاب 'نقوشِ اوّلین' حافظ ولی احمد خان کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو انھوں نے سمیناروں میں پڑھنے کے واسطے لکھے تھے۔ موصوف حافظِ قرآن کے ساتھ ساتھ میکانیکل انجینئر (ایم ایس یونی ورسٹی گجرات) اور ماوا انجینئرنگ ورکس کے سربراہ ہیں۔ ولی احمد خان کا تعلق 'جوا کھر' صوبۂ بہار سے ہے لیکن وہ طویل عرصے سے احمد آباد میں مقیم ہیں۔ وہاں پر وہ اپنی کاروباری مشغولیات کے علاوہ علم وادب بالخصوص اسکولوں وکالجوں میں اُردو کے فروغ کے لیے ہمہ تن مصروف ہیں۔ مطالعۂ ادب، مباحثوں، سمیناروں میں مقالات وتقاریر، ادبی اسفار اور کتابوں کی نشر واشاعت اور ادبا وشعرا کی مالی مدد کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ موصوف اپنے قیمتی اوقات میں سے چند گھنٹے تخلیقِ ادب کے لیے مختص کیے ہوئے ہیں۔ 'نقوشِ اوّلین' میں شامل مضامین کو لکھنے کے محرک ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی اور نذیر فتح پوری ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں شامل تمام مضامین انھوں نے تنقیدی وتحقیقی نہج پر لکھے ہیں۔ اپنی ادبی زندگی کے آغاز اور مضامین لکھنے کے محرکات کے بارے میں ولی احمد خان کتاب کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

> ''نذیر فتح پوری صاحب بہت دنوں سے کہہ رہے تھے کہ 'ولی صاحب! روزانہ پانچ منٹ نکال کر کچھ لکھیے'۔ میں ان کو منع کرتا رہا۔ لیکن میرے اندر چھپے ہوئے تخلیقی وتصنیفی جواہر کو ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی نے بھی پرکھا اور کہا کہ 'آپ سمینار میں آتے ہیں بحیثیت ایک سامع اور کبھی کبھی اسٹیج پر مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے بیٹھتے ہیں، آپ مقالہ کیوں نہیں پڑھتے؟ یہ کہہ کر شیرانی صاحب نے آنند کے سمینار میں مقالہ لکھ کر پڑھنے کا مشورہ دیا، اور میں نے آنند، گجرات کے ایک سمینار میں پہلا مقالہ پڑھا، جسے کافی پسند کیا گیا۔'' (ص 15-14)

ولی احمد خان نے زیرِ تبصرہ کتاب میں پندرہ مضامین کو شامل کیا ہے۔ ان میں گجرات میں اُردو ترجمہ نگاری کی روایت واہمیت، تعلیمی وتربیتی اداروں کی اُردو خدمات (گجرات کے حوالے سے)، رحمت امروہوی: حیات وخدمات، شہر بھاگل پور میں اردو زبان کے فروغ کے لیے چند روزہ سرگرمیاں (رپورٹ)، ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی سے ایک ملاقات (انٹرویو) دورِ حاضر میں صوفیاے کرام کی تعلیمات واہمیت، جنگِ آزادی کا پس منظر (جنگِ آزادی اور اُردو شاعری کے حوالے سے)، ہندستان کی آزادی کے 75 سال اور اُردو ادب، حب الوطنی کا علمبردار شاعر چکبست کی حیات وشاعری، اُردو میں نعت گوئی، اُردو شاعری اور پیغامِ انسانیت، اُردو افسانے کا عصری پس منظر، رواں صدی میں اُردو تنقید (ایک جائزہ) ڈاکٹر نذیر فتح پوری (ہمہ جہت ادبی شخصیت) اور ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی (راجستھان کا علمبردار ادیب ومحقق) اہمیت کے حامل مضامین ہیں۔

ولی احمد خان نے مضمون 'گجرات میں اُردو ترجمہ نگاری کی روایت واہمیت' میں گجرات میں ترجمے کی روایت اور موجودہ صورتِ حال پر تنقیدی بحث کی ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے تراجم کے اقسام یعنی معلوماتی تراجم، تہذیبی تراجم اور جمالیاتی تراجم وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے (1) نور الشیوخ از سید پیر محمد شاہ قادری (مترجم اُردو، ناشرین عبدالرحیم بھائی کڑیہ والا، صدر حضرت پیر محمد شاہ درگاہ ٹرسٹ، پیر محمد شاہ روڈ، احمد آباد)، (2) عشق اللہ (مصنف سید پیر محمد شاہ صاحب ساکن بیجا پور دکن المتخلص باقدس سرہ العزیز نزیل احمد آباد گجرات، المتوفی جمادی الاولیٰ 1163ھ، ناشر اُردو: عبدالرحیم افضل بھائی کڑیہ والا، مطبوعہ 1977)، (3) تاریخِ گجرات (فارسی) کا تعارف وجائزہ پیش کیا ہے۔

ولی احمد خان نے 'رحمت امروہوی: حیات وخدمات' مضمون میں ان کی شاعرانہ عظمت وشخصیت کا احاطہ کیا ہے۔ انھوں نے مضمون کی ابتدا رحمت امروہوی کے درج ذیل شعر:

یہ کاغذ پر میرے دل کا لہو ہے
یہ نظمیں خون سے لکھی ہیں میں نے

سے کی ہے۔ اس کے بعد ولی احمد خان نے رحمت امروہوی کی حالاتِ زندگی کے بارے میں مختصر گفتگو کی ہے۔ رحمت امروہوی 15 جولائی 1929 کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ لیکن تلاشِ معاش کے لیے انھوں نے احمد آباد کا رخ کیا۔ 4 جون 2004 کو رحمت امروہوی اپنے حقیقی رب سے جا ملے۔ 'اضافہ'، 'یادوں کی پرچھائیاں' اور 'رت جگے'، 'ترویج' اور 'گلدستۂ غزل' رحمت امروہوی کے شعری مجموعے ہیں۔ محی الدین بمبے والا نے 'کلیاتِ رحمت امروہوی' مرتب کر کے شائع کی۔ رحمت امروہوی نے بے شک احمد آباد کو اپنا مسکن بنایا ہو لیکن ان کے دل میں امروہہ کی عظمت ہمیشہ برقرار رہی۔ وہ اس ضمن میں کہتے ہیں:

پھر مجھے اپنا وطن یاد آیا
مرکزِ شعر و سخن یاد آیا
مصحفی نے جسے خون سے سینچا
آج اس کا وہ چمن یاد آیا

ولی احمد خان نے 'جنگِ آزادی کا پس منظر' مضمون میں اشعار کے ذریعے جنگِ آزادی کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح انھوں نے 'حب الوطنی کا علمبردار شاعر چکبست کی حیات و شاعری' میں چکبست کی شاعری میں پنہاں حب الوطنی کو قارئین کے سامنے پیش کیا۔ اس کے لیے ولی احمد خان نے چکبست کے شعری مجموعے 'صبحِ وطن' اور ان کی شاعری کے مرتبہ شعری مجموعوں (1) چکبست کی شاعری میں جذبۂ حب الوطنی (2) مضامینِ چکبست، کا خصوصی مطالعہ کیا۔ موصوف نے مضمون میں چکبست کی حیات اور شعر و سخن کے آغاز و ارتقا پر بھی تنقیدی گفتگو کی ہے۔ انھوں نے چکبست کی شاعری میں موجود حب الوطنی کے عناصر اور جذبوں کو معتبر حوالوں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ چند مثال ملاحظہ کیجیے:

وطن کی خاک سے مر کر بھی ہم کو اُنس باقی ہے
مزا دامانِ مادر کا ہے اس مٹی کے دامن میں

......

مٹی ہیں گل جو اور کسی بوستاں کے ہیں
کانٹے عزیز گلشنِ ہندستان کے ہیں

ولی احمد خان نے مضمون 'رواں صدی میں اُردو تنقید: ایک جائزہ' میں اُردو تنقید کا ارتقا، ادبی تنقید کے اصول، تخلیق اور تنقید کا رشتہ، رومانی تنقید، اسلوبیاتی تنقید، نظریاتی تنقید اور عملی تنقید پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے۔ انھوں نے اپنے وسعتِ مطالعہ کی بنیاد پر لکھا کہ تنقید نگار کا کام بہت پیچیدہ ہوتا ہے، اسی لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا مطالعہ وسیع ہو، بہت سے علوم سے واقف ہو تبھی کسی فیصلے تک پہنچنے میں نقاد کامیاب ہوسکتا ہے۔ (ص 137)

بہر نوع! ولی احمد خان نے اپنے تمام مضامین کو عرق ریزی و تلاش و جستجو کے بعد رقم کیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ موصوف کا مطالعہ وسیع اور نظر تنقیدی ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین کو طول نہیں دیا بلکہ اختصار کے ساتھ اپنی بات کہی ہے۔ ولی احمد خان نے مضمون کے آخر میں ترقیمے کا اہتمام کیا ہے۔ یہ عمل ان کی ادبی دیانت داری کا مسلم ثبوت ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی نے ولی احمد خان کو ولی صفت انسان اور ادب نواز و ادب پرور لکھا۔ نذیر احمد نے اپنے تاثرات میں موصوف کی اُردو نوازی کے علاوہ لکھا کہ ولی جیسے لوگ اس ملک میں پیدا ہو جائیں تو اُردو واقعی گھر گھر پہنچ جائے۔ کتاب کا سرورق بہت ہی دیدہ زیب اور طباعت اعلا درجے کی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ولی احمد خان اپنا ادبی سفر یوں ہی جاری و ساری رکھیں گے۔

◆◆◆

بقیہ: 'ادبستان' کا ذخیرۂ ادیبؔ

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

تھا کہ ملک بھر سے بلکہ بیرونِ ملک تک سے لوگ اِن سے استفادہ کرنے کو آنے لگے۔ اِس نایاب ذخیرے نے بھی ادیبؔ کی پُروقار شخصیت کی جلا کی تھی، مگر یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ ادیبؔ نے یہ نایاب ذخیرہ صرف اپنی انفرادیت قائم کرنے کی خاطر جمع نہیں کیا تھا بلکہ وہ یہ کام اہم کتابوں اور مخطوطوں کے تحفظ کی خاطر سے کر رہے تھے۔ اِس کی واضح مثال یہ ہے کہ ادیبؔ اپنے ذخیرے کی ہر کتاب اور مخطوطے کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور اُن پر کارگر نوٹ بھی لکھتے تھے۔ ذخیرے کی ہر تحریر اُن کی نظر میں تھی اِسی لیے جب اُن کے پاس لوگ کسی کتاب کے مطالعے کے لیے پہنچتے تو ادیبؔ اُن کے موضوع سے متعلق دوسری ایسی چیزیں بھی نکال کر دکھاتے کہ جن کا علم خود اُس موضوع پر کام کرنے والے کو بھی نہ ہوتا تھا۔ کچھ برس پہلے کشمیر میں میری ملاقات پروفیسر زماں آزردہ صاحب سے ہوئی تو اپنے طالبِ علمی کے زمانے کے متعلق اُنھوں نے بتایا کہ مرزا سلامت علی دبیر پر اپنے پی ایچ ڈی کی تحقیق کے سلسلے میں اُنھوں نے مسعود حسن رضوی ادیبؔ کے گھر 'ادبستان' میں بھی آٹھ دس دن کام کیا تھا۔ زماں آزردہ صاحب نے ادیبؔ کی مہربان شخصیت کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ مسعود صاحب اپنے ذخیرے میں سے کئی کتابیں اور مخطوطے نکال کر اُن کے لیے لائے تھے۔ یہاں ذہن میں یہ بھی رہے کہ اُس وقت ادیبؔ کی عمر قریب 80 برس ہو رہی تھی۔ صرف یہی ایک واقعہ یہ ثابت کرنے کو کافی ہے کہ ادیبؔ نے یہ نایاب ذخیرہ اِس نیک نیت سے جمع کیا تھا کہ لوگ اِس سے مستفید ہوں۔

سیّد مسعود حسن رضوی ادیبؔ کے اِسی رویّے کا پاس رکھتے ہوئے اُن کے ذخیرے میں موجود کتابوں، قلمی مخطوطوں، بیاضوں اور متفرق کاغذات کو ڈیجیٹائز کر لیا گیا ہے کہ ادبی کام کرنے والوں کی دسترس میں یہ ذخیرہ آسانی سے آسکے۔ اِس ذخیرے کو احتیاط اور سلیقے سے ڈیجیٹائز کرنے کے لیے نور انٹرنیشنل مائکرو فلم سنٹر، ایران کلچرل ہاؤس، نئی دہلی کا میں بے حد شکر گزار ہوں۔ کتابوں خاص کر مخطوطات کی فہرست سازی ایک دشوار گزار اور بہت نازک کام ہوتا ہے، نور مائکرو فلم سنٹر نے یہ کام بھی عمدگی سے انجام دیا ہے۔ فہرست میں صرف کتاب کا نام ہی نہیں بلکہ دوسری تفصیلات بھی درج کی گئی ہیں جیسے مصنف، سال، موضوع، زبان وغیرہ۔ اِس کے ساتھ توضیحات کا عنوان لگا کر کتاب یا مخطوطے کا مختصر سا تعارف بھی کرا دیا گیا ہے۔ یوں اِس فہرست کے دیکھنے بھر سے ادیبؔ کے ذخیرے میں موجود تحریروں سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ نور مائکرو فلم سنٹر نے اِسی سال یعنی 2024 میں اِس فہرست کو دو جلدوں میں شائع بھی کر دیا ہے: 'فہرست نسخہ ہای خطی عکسی، کتابخانہ نیر مسعود، لکھنؤ' یعنی مخطوطات کی فہرست اور چھپی ہوئی کتابوں کی فہرست کا عنوان نسخہ ہای چاپی عکسی، کتابخانہ نیر مسعود، لکھنؤ رکھا گیا ہے۔ اِس فہرست کی مدد سے ذخیرۂ ادیبؔ سے کام لینے والوں کو بہت سہولت ہوگی۔

تمثال مسعود

مڈل ایسٹرن، ساؤتھ ایشین اینڈ افریقن اسٹڈیز کولمبیا یونی ورسٹی

کولمبیا (یو ایس اے)

E-mail: tm3212@columbia.edu

میرا جنون اُردو

(خطبات و مضامین)

طاہر محمود

قیمت: 700 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطٰی کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفٰی زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ و آثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-
مٹی کا قرض	ڈاکٹر نریش	300/-

'ادبستان' کا ذخیرۂ ادیبؔ

تمثال مسعود

سیّد مسعود حسن رضوی ادیبؔ کی پیدائش 1893 میں بہرائچ میں ہوئی اور بچپن لکھنؤ کے پاس ایک چھوٹے سے گاؤں نیوتنی میں گزرا۔ اُس وقت اُن کا نام محمد مسعود تھا، مگر بعد کو تعلیم کے سلسلے سے جب وہ گاؤں سے باہر نکلے تو اُنھوں نے اپنا نام تبدیل کر کے مسعود حسن کر لیا۔ 27 برس کی عمر میں الہ آباد میں ملازمت کرنے کے دوران اُنھوں نے ٹینِسن کے منظوم افسانے Enoch Arden (1864) کا اردو نثر میں 'امتحانِ وفا' کے عنوان سے ترجمہ کیا تھا۔ اِس کتاب کے دیباچے میں اُنھوں نے اپنا نام ''ادیب نیوتنی'' لکھا ہے۔ یہ اُن کی نیوتنی گاؤں سے وابستگی کی پہلی اور آخری نشانی ہے۔ بعد کو اُنھوں نے اپنی تحریروں کے لیے سیّد مسعود حسن رضوی ادیب نام مخصوص کر لیا تھا۔ محمد مسعود کو سیّد مسعود حسن رضوی ادیبؔ سے تبدیل کرنے میں اپنے نام کو پُر وقار بنانے کی یہ شعوری کوشش تھی۔ ایک نام ہی کیا، اِس پُر وقار جھلک کے پیدا کرنے کی مثالیں اُن سے متعلق ہر چیز کے غور سے دیکھنے پر واضح نظر آنے لگتی ہیں جیسے اُن کی ظاہری ہیئت، اُن کا اندازِ گفتگو اور رکھ رکھاؤ، اُن کے مکان کی عمارت اور مکان کا نام- ادبستان؛ یعنی ہر پہلو میں ایک وقار کی جھلک موجود تھی۔ اِسی زمرے میں یہاں میں اُن کے کتب خانے کا خصوصیت سے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

مشین سے چھپائی کی شروعات سے پہلے موضوع اور مصنف کے علاوہ بھی کتاب کی اپنی انفرادیت ہوتی تھی؛ جیسے اُس کو کس کاتب نے نقل کیا ہے، اُس کا کاغذ اور جلد کیسی ہے، اور اُس کی تزئین کاری کا کام کس معیار کا ہے۔ اُس زمانے میں کتابیں خاصی حد تک خواص کے ذخیرے میں شامل ہوتی تھیں۔ کتابوں کا یہ ذخیرہ عموماً خواص کے علمی ذوق کا ضامن ہوتا تھا مگر ایسے بھی لوگ تھے کہ جن میں بھلے ہی ادبی ذوق نہ ہو مگر اپنی سماجی حیثیت کی خاطر اپنے یہاں عمدہ کتابوں کا ذخیرہ رکھنا ضروری گردانتے تھے۔ پھر مشین سے چھپائی یعنی لیتھوگرافی نے نئی کتابوں کے ساتھ پرانی قلمی کتابوں کو بھی کثیر تعداد میں چھاپ کر انھیں ہر ایک کے لیے فراہم کرنا شروع کر دیا۔ اِس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ پرانی قلمی کتابوں اور مخطوطات کا شمار با قاعدہ نوادرات میں ہونے لگا۔ اور آج تک اِن نوادرات کا کسی کے پاس ہونا گویا یہ ثابت کرتا ہے کہ اُس شخص کا تعلق پرانے وقت کے کسی اہم خاندان سے ہے۔

1922 میں سیّد مسعود حسن رضوی ادیبؔ لکھنؤ یونی ورسٹی سے منسلک ہوے اور پھر شعبۂ فارسی اور اردو کے صدر مقرر ہو گئے۔ یونی ورسٹی کے پُر وقار عہدے اور خود اُن کے شخصی اوصاف، جس میں سب سے نمایاں وصف اُن کی شرافت تھی، جس کی بدولت اردو، فارسی ادب کے عالم کی حیثیت سے لکھنؤ کے ممتاز شہریوں میں ادیبؔ کا شمار ہونے لگا۔ اُس زمانے میں قدیم لکھنؤ کے متمول طبقے سے تعلق رکھنے والے ایسے گھرانے بھی موجود تھے کہ جن کا وقت 1857 کی غدر کے بعد بگڑ گیا تھا۔ یہ عبرت ناک صورتِ حال اِس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ اِن گھروں کے سامان تک کے بکنے کی نوبت آ گئی تھی؛ اِس بکنے والے سامان میں نایاب اور نادر کتابیں بھی شامل تھیں۔ اودھ کی تہذیب سے دلچسپی اور اودھ کے آخری بادشاہ واجد علی شاہ سے ادیبؔ کی ہمدردی کی بنا پر لکھنؤ کے پرانے خانوادے کے افراد ادیبؔ کی بہت قدر کرتے تھے۔ یہ سبب تھا کہ جب ادیبؔ کو اردو فارسی کتابوں اور مخطوطوں کے جمع کرنے کا شوق ہوا تو اِس مہم میں اِن لوگوں نے ادیبؔ کی بہت مدد کی۔

ادیبؔ سے پہلے کی گذشتہ دو نسلوں میں مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا رواج اپنے عروج پر تھا۔ اِس صنفِ سخن کو اکابرینِ اودھ کی سرپرستی بھی حاصل تھی جس کی وجہ سے لکھنؤ میں مرثیہ خوان حضرات اور اُن کے شاگردوں کی کثیر اور نمایاں تعداد موجود تھی۔ 1857 میں جب سرپرستی کا یہ نظام برہم ہوا تو دوسرے فنکاروں کی طرح شاعر حضرات پر بھی سخت وقت آن پڑا تھا۔ ادیبؔ کے زمانے میں اِن شاگردوں کے شاگرد اور اُن کے اساتذہ کے بیشتر پسماندگان خاصی غربت میں کچھ گمنامی کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ ادیبؔ نے اِن لوگوں کا پتا لگا کر اُن کے یہاں موجود مرثیے کے بستے نکلوائے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ادیبؔ پرانے لکھنؤ کی کسی گلی میں کسی مکان کے باہر کھڑے ہیں اور گھر کے اندر پردے دار عورتیں اُن کی ہدایت پر الماریوں میں، پیٹیوں، اور صندوقوں میں مرثیے کی بیاضیں تلاش کر رہی ہیں۔ برسوں کی محنت اور کثیر رقم صرف کر کے ادیبؔ نے مرثیوں کے قلمی مخطوطات کا ایک زبردست ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ مثال کے طور پر میر انیسؔ کے والد میر مستحسن خلیقؔ کے چند مرثیوں سے ہی لوگ واقف تھے اور یہی مانا جاتا تھا کہ خلیقؔ کے بس یہی مرثیے باقی بچے ہیں۔ مگر ادیبؔ نے خلیقؔ کے 170 مرثیے جمع کر لیے تھے۔ اِتنا ہی نہیں، ادیبؔ کے ذخیرے میں اِن 170 مرثیوں کے نسخوں کی تعداد قریب 400 پہنچ گئی تھی یعنی خلیقؔ کے مرثیوں کی جتنی نقلیں اُن کو ملیں وہ سب اُنھوں نے اپنے ذخیرے کے لیے حاصل کر لی تھیں۔ عموماً مخطوطات کے معاملے میں ادیب کا یہی رویہ تھا۔ اِس وجہ سے اُن کے ذخیرے کی ایسی مقبولیت ہوئی کہ مرثیے پر کام کرنے والوں کے لیے اِس ذخیرے کی زیارت کرنا گویا واجبات میں شامل ہو گیا۔

ادیبؔ کو کتابوں کے جمع کرنے کا ایسا شوق تھا کہ خود کتب فروش اُن کے پاس کتابیں لے کر آتے تھے۔ کتابوں کے جمع کرنے کی مہم میں ادیب کو کچھ حیرت خیز واقعات بھی پیش آئے۔ جیسے ایک زمانے میں اُن کو میر تقی میرؔ کی نثری تصنیفوں کی تلاش تھی، اِس سلسلے میں وہ خود لکھتے ہیں:

> ''ایک زمانہ ہوا کہ اودھ کے شاہی کتب خانوں کی فہرست میں میں نے 'ذکرِ میر' کا نام دیکھا تھا۔ حضرتِ میر کی خود نوشتہ سوانح عمری کی زیارت کے لیے دل بے چین ہو گیا۔ میں اُن دنوں قدیم اور کمیاب کتابوں کی تلاش میں لکھنؤ کی گلیوں کی خاک چھانتا پھرتا تھا۔ میری آنکھیں 'ذکرِ میرؔ' کو ڈھونڈتی تھیں لیکن اُس کا پتا کہیں نہ لگتا تھا۔ طلبِ صادق کی کشش دیکھیے کہ ایک مدّت کے بعد مجھے میرؔ کی غیر مطبوعہ اور نہایت کمیاب تصنیفوں کا ایک مجموعہ ہاتھ آ گیا۔''

اِن کتابوں کے ہاتھ آنے کے قصے میں حیرت والا پہلو یہ ہے کہ ادیبؔ اپنے گھر 'ادبستان' میں بیٹھے تھے کہ ایک کتب فروش پرانی کتابوں کا گٹّھر لے کر آیا۔ اِس گٹّھر میں تین چار کتابوں کا ایک پلندہ بھی تھا۔ جب اُس کو کھولا گیا تو اُس میں سے یہ قلمی کتابیں نکلیں: 'ذکرِ میرؔ'، 'دیوانِ میرؔ' (فارسی) اور 'فیضِ میرؔ'۔ ادیبؔ کہتے تھے کہ اِن کتابوں کو دیکھ کر اُن کو جیسی خوشی ہوئی ویسی خوشی زندگی میں کم ہی نصیب ہوئی۔

کتابوں کی تلاش بلکہ اُن کے دیکھنے بھر کی خاطر ادیبؔ نے دوسرے شہروں کے سفر بھی کیے۔ جیسے واجد علی شاہ کی کتابوں کے ذخیرے کے دیکھنے کو 1940 میں وہ کلکتہ گئے۔ وہاں اُنھوں نے مٹیا برج میں 9 دن گزارے۔ دوسری اہم کتابوں کے ساتھ وہاں ادیب نے 876 صفحے کا دیوان 'مجموعۂ مبارک' بھی دیکھا تھا۔ یہ قلمی دیوان نہایت خوش خط، سنہرے کام والا شاہی نسخہ تھا۔ ادیب نے ایک فوٹو گرافر سے اِس قیمتی نسخے کے شروع کے دو صفحوں کی تصویریں اتروا لی تھیں۔ دھیرے دھیرے کر کے واجد علی شاہ کی تصنیف کی ہوئی قریب 60 کتابیں ادیبؔ نے جمع کر لی تھیں جن میں بادشاہ کے ضخیم دیوان بھی شامل تھے اور بادشاہ کے کہے ہوے مرثیے بھی۔ یہ پورا ذخیرہ آج بھی ادبستان میں موجود ہیں۔

سیّد مسعود حسن رضوی ادیبؔ کے پاس فارسی اور اردو کی قدیم اور نادر کتابوں اور مخطوطوں کا ایسا زبردست ذخیرہ جمع ہو گیا ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by **Abdul Bari** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***